رسائل و مسائل

ایک گھریلو اُلجھن

(شعبہ استفسارات)

سوال:- میں یہاں سعودی عرب میں ایک کمپنی میں ملازم ہوں۔ سروس کے بعد حال ہی میں پاکستان جا کر شادی کر لی ہے۔ گھر والوں نے بھی اس شادی میں اپنی رضامندی اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ ہمارا خیال تھا کہ اس شادی سے ہماری بوڑھی والدہ کو کافی حد تک گھریلو کام کاج میں مدد ملے گی۔ اور یہی بات قبل از شادی گھر والوں نے میرے سسرال کو بھی بتادی تھی کہ ہم اس رشتے سے خوش ہیں کیونکہ جہاں اس طرح ہمارے لڑکے کا گھر بسے گا۔ وہاں اس کی بوڑھی والدہ کو بھی آرام و سکون ملے گا۔ لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔ شادی کے بعد مجھے یہاں سعودی عرب آنا پڑا۔ اور چند ایام گزار کر بیوی اپنے گھر چلی گئی۔ اور ابھی تک نہیں آئی۔ جب گھر والوں نے بذریعہ خط مجھے مطلع کیا اور میں نے بیوی سے اس کی وجہ پوچھی تو اُس نے بتایا کہ چونکہ وہاں ایک تو اکیلے رہنا میرے لیے مشکل ہے اور دوسرے گھر کی آئے دن کی باتوں سے میری طبیعت پریشان ہوتی ہے۔

اب اگر میں والدہ کے کہنے پر کوئی قدم اُٹھاتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ چیز کہیں خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ چونکہ والدہ کا کہنا ہے کہ ان لوگوں (میرے سسرال والوں) نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ شادی سے قبل تو اس طرح کی کوئی بات نہیں بتائی کہ لڑکی اپنے ہی گھر رہے گی اور اس طرح بوڑھی والدہ کو بے سہارا چھوڑ دے گی اور اگر بیوی کو کچھ نہیں کہتا اور اُس کی مرضی کے مطابق اُس کو اُس کے اپنے گھر

ہی میں رہنے دینے پر خوش رہتا ہوں تو والدہ کے حکم کی نافرمانی ہوتی ہے، کیونکہ یہ بات والدہ کو گوارا نہیں۔ اُمید ہے کہ اس سلسلے میں میری رہنمائی کر کے مجھے دلی سکون و اطمینان سے نوازیں گے۔

جواب (۱) بطور مشورہ | آپ کا خط ملا اور آپ کی اُلجھن سامنے آئی۔ آپ کا معاملہ ایسا نہیں کہ ایک دو ٹوک شرعی حکم سے حل کیا جا سکے۔ یہ ہماری موجودہ معاشرت کی پیچیدگیاں ہیں جن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے صبر و حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

چند ضروری باتیں میں نمبروار لکھتا ہوں اُن پر آپ غور کریں اور اپنی زیر تشکیل ازدواجی زندگی کو ابتدا ہی میں خراب نہ کر لیں۔

۱۔ ہمارا معاشرہ مشترک خاندانی نظام (JOINT FAMILY SYSTEM) سے نکل کر ایک نئے دور میں داخل ہو گیا ہے، کچھ خاندان بالکل بے راہ روی پر اتر آئے ہیں، کچھ میں والدین اور اولادوں تک کے تعلقات کمزور ہو چکے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو آپ کی طرح معمولی پیچیدگیوں سے دوچار ہیں۔ مسائل کو حل کرنے کے لیے اس صورتِ حال کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ ساس بہو کے قضیوں سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ پہلے ان کی دوسری شکل تھی اور بہو ساری ناخوشگواریاں برداشت کر کے خدمت کرتی رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ یا تو اس کے حسیات کی تلافی شوہر کی خاص رفاقت و محبت سے پوری ہونے لگے، یا وہ ٹی بی وغیرہ کی شکار ہو کر رخصت ہو جائے۔

۳۔ آج کی لڑکیوں سے (خواہ وہ طبعاً کتنی ہی نیک نہاد اور مسلم مزاج کی ہوں) یہ توقع رکھنا کہ وہ ہر طرح کی باتیں، تنقید و تعریض اور ڈانٹ ڈپٹ سُن کر چپ چاپ شوہر کے والدین کی خدمت کرتی رہیں گی، کچھ زیادہ درست نہیں ہے، خصوصاً جب کہ اُن کو عملاً شوہر کی محبت کا سرمایہ تسکین بھی حاصل نہ ہو۔ آج کل اپنی اولادوں سے بھی اچھا طرزِ عمل اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ اُن سے پیار کیا جائے، اُن کے اچھے کاموں کی بڑھ چڑھ کر تعریف کی جائے اور ان کی پسند و ناپسند کی خواہ مخواہ مخالفت نہ کی جائے (مثلاً یہ جوتا جو

خریدا ہے یہ تو بہت فضول سا ہے، یا تمہارے کوٹ کا رنگ یا بچی کی پسندیدہ چھینٹ
تو بہت گھٹیا ہے) وغیرہ۔

محبت اور پیار اور کشش کا ماحول پیدا کر کے ہی والدین یا کوئی والدہ اپنی بہو سے حُسنِ
سلوک کا جواب حاصل کر سکتی ہے۔

۴ — ہندوستانی معاشرے کے مروّجات کا جو اثر ہم پر پڑا ہے اُس سے اُوپر بلکہ سیدھے
دَورِ نبوت کے معاشرے تک ہم جا پہنچیں تو وہاں روایت یہ تھی کہ جہاں کوئی نکاح ہوا،
فوری طور پر نیا گھر بس گیا - چاہے خیمہ لگا کر ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارے ہاں یہ طرزِ عمل جاری
نہ ہو سکا، مگر اب حالات نے جو سبق ہمیں دیئے ہیں۔ انہوں نے تبدیلیوں کا آغاز کر دیا
ہے۔ مثلاً ایک شخص کا حال میں جانتا ہوں۔ اس کے شادی شدہ بیٹے شروع ہی سے الگ
گھروں میں اس کے اصرار سے اپنی بیویوں کے ساتھ رہنے لگے، ابتداء میں وہ دل گرفتہ
بھی ہوئے، مگر بہت جلد اس نئی زندگی نے انہیں خاص تسکین دی - اب صورتِ حالات
یوں ہے کہ دوسرے چوتھے دن وہ والدین کے ہاں مع بال بچوں کے آتے ہیں اور خوب
خوش و خرم کچھ وقت گذارتے ہیں۔ ساس اور بہو والی کوئی بات نمودار نہیں ہوتی —
ماں باپ اُن کے پاس جاتے ہیں تو وہ اُن کی خدمت میں لگ جاتے ہیں سوائے اُمورِ شرعیہ
کے والدین نے ہر معاملے میں ان کی تعریف و تحسین کی اور یہی حال اُن کی اولادوں کا ہے،
وہ ایک دوسرے کی بیماریوں میں خبر گیری بھی کرتے ہیں اور بوقتِ ضرورت خوشی خوشی
خدمت بجا لاتے ہیں۔

۵ — آپ یہ سمجھیں کہ اصلاً ماں کی خدمت کرنا خود آپ کا فرض ہے۔ آپ کی بیوی
جس نے ابھی بیوی بن کر کچھ وقت گزارنے کا تجربہ بھی نہیں کیا، براہِ راست "خدمت"
اُس کی ذمہ داری نہیں ہے۔

۶ — آپ کی بیوی نے جب آپ کو لکھا ہے کہ وہ تنہائی محسوس کرتی ہے (یعنی دل
کی باتیں بے تکلفی سے نہیں کر سکتی) اور پھر یہ کہ اُسے کچھ ایسی باتیں سُننی پڑتی ہیں کہ جن کی
اگر وہ توضیح کرے تو اس معاشرے کے معمولات کے مطابق اس پر جواب دینے اور زبان چلانے

کا الزام آئے تو چاہیے تھا کہ اس کے جواب میں آپ اُسے اپنی محبت و ہمدردی کا یقین دلاتے اور تسلی دیتے کہ یہ دَور عارضی ہے، وہ جس طرح خوش ہے اس طرح رہے۔ دوسری طرف آپ والدہ کو خط میں اپنی فرمانبرداری کا یقین دلاتے ہوئے لکھتے کہ میں کوشش کر رہا ہوں کہ حالات درست ہو جائیں۔ تو اس طرح شاید آئندہ کے لیے بہتری کی صورت پیدا ہو جائے۔

۷ — سب سے بڑا مسئلہ بیوی کے حقوق اور والدہ کے حقوق میں توازن قائم کرنے کا ہے اور دونوں طرف سے جو متفرق باتیں سامنے آئیں انہیں خوبصورتی سے ٹال جائیں اور کسی چیز کو وجہ نزاع نہ بننے دیں۔ نیز کسی ایک فریق کی طرف داری اختیار کر کے سارا جرم دوسرے فریق پر نہ ڈال دیں۔

۸ — یہ سب کچھ اگر ممکن نہ ہو تو پھر یہ سارا کھیل کسی فتوے کے زور پر حل نہیں ہو سکتا۔

احتیاطاً میں یہ خط شعبہ استفسارات کے ناظم صاحب کے حوالے کر رہا ہوں تاکہ اگر وہ کوئی چیز درست کرنا چاہیں یا اضافہ کرنا چاہیں یا کوئی حکم بتانا چاہیں تو آپ کو لکھیں۔ میرا خط تو ایک دوستانہ مشورے کی نوعیت رکھتا ہے۔

(نعیم صدیقی)

جواب (۲) فقہی رہنمائی بیوی کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر بلا وجہ نہ نکلے، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ اُسے رہائش کے لیے ایسی جگہ دی جائے، جہاں وہ پوری آزادی کے رہ سکے اور خاوند کے گھرانے سے اسے کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔

فتاوی قاضی خان میں ہے۔

"والناشزة لانفقة لها وهی التی خرجت عن منزل الزوج بغیر اذنه بغیر حق۔

ناشزہ کے لیے نفقہ نہیں ہے، ناشزہ وہ عورت ہے جو خاوند کے گھر سے اس کی اجازت

کے بغیر ناحق طور پر نکل جائے۔

"فان کان للرجل والدة او اخت او ولد من غیرها فی منزلها فقالت صیرنی فی منزل علی حدة کان لها ذالک لانها لاتامن علی متاعها وتستحیی اذا کان البیت واحداً فان کانت داراً فیها بیوت واعطی لها بیتاً تغلق وتفتح لم یکن لها ان تطلب بیتاً آخر اذا لم یکن ثم احد من احماء الزوج یوذیها۔"

"اگر ایک شخص کی والدہ، بہن یا دوسری بیوی کی اولاد بھی اسی گھر میں ہے اور بیوی مطالبہ کرے کہ مجھے الگ مکان دو تو اس کا یہ مطالبہ درست ہوگا، اس لیے کہ اُسے اپنے ساز و سامان کی حفاظت کی خاطر اور کسی جھجک کے بغیر رہنے کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ جب مکان میں ایک ہی کمرہ ہو تو اُسے الگ مکان کے مطالبے کا حق ہے، لیکن کمرے کئی ہوں اور ایک کمرہ اسے مکمل طور پر دے دیا جائے اور اس کے پاس اس کے تالے کی چابی بھی ہو تو اس صورت میں وہ الگ مکان کا مطالبہ نہیں کر سکتی بشرطیکہ وہاں خاوند کے ایسے رشتہ دار نہ ہوں جو اُسے تکلیف پہنچائیں"۔

بچی کی شادی کر دینے کے بعد ماں باپ اس کی رہائش کے ذمہ دار نہیں، ان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اُسے اپنے گھر رکھیں، البتہ بچی کی حفاظت کی خاطر ایسا کرنا ضروری ہو تو خاوند کی اجازت سے ایسا کرنا چاہیے، آپ بھی اس مسئلہ کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھیں، بیوی کی حیثیت خادمہ کی نہیں ہوتی، خاوند کے ماں باپ کی خدمت کرنا اس کی ذمہ داری نہیں ہے، البتہ ایک اخلاقی خوبی ہے۔ آپ اپنی بیوی کو اس مقام تک پہنچانے کے لیے نعیم صاحب کی بتلائی ہوئی حکمتِ عملی کو اپنالیں، انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

(مولینا عبدالمالک صاحب ناظم شعبۂ استفسارات)